

مجتہد: اوصاف و شرائط

پروفیسر ڈاکٹر مظہور احمد اظہر

چیرمین ججویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اجتہاد ہمیشہ کی طرح عہد حاضر میں بھی اسلامی دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ اور دلچسپ موضوع بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد نہ صرف یہ کہ ایک شدید ترین ضرورت ہے بلکہ مسلمان قوم کی بیداری اور ترقی کا مفید ترین وسیلہ بھی ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم سے بھی عیاں ہے۔ اس کے معنی اور مفہوم سے ہی ایک ولولہ تازہ کا پیغام اور جوش عمل کی دعوت مترشح ہوتی ہے۔ یہ بات صبر و استقامت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے اور عزم و ہمت کے ساتھ جہد مسلسل کی بھی غماز ہے۔

لغت میں اجتہاد کے معنی ہیں: کسی کام میں انتہائی کوشش کرتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دینا۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ ماخذ شرع کی روشنی میں کسی شرعی مسئلے کا حل معلوم کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس طرح بروئے کار لانا کہ آگے مزید کوشش کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ان معانی اور اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہد یا اجتہاد و استنباط کا فریضہ انجام دینے والا ایک نہایت اہم اور مفید کام انجام دیتا ہے اس لیے اس میں کچھ شرائط اور کچھ اوصاف کا پایا جانا لازمی ہوگا تاکہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے کماحقہ عہدہ برآ ہو سکے۔ اصل موضوع تک پہنچنے سے قبل بعض تمہیدی امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان امور سے نہ صرف یہ کہ موضوع کی اہمیت عیاں ہوگی بلکہ اسے سمجھنے میں بھی بہت مدد ملے گی۔ ان تمہیدی امور میں سرفہرست وہ غلط فہمیاں ہیں جو ہمارے بعض دانشوروں کی مرہون منت ہیں۔ یہ حضرات دانستہ یا دانستہ طور پر تخیل و ابہام کا شکار ہیں جس سے ہماری ملت کی فکری زندگی ایک گونہ اتری اور الجھاؤ کی کیفیت سے دو چار ہے اور ذہنوں میں شک و بے اطمینانی اور اضطراب دے چینی کا دور دورہ ہے۔ ان غلط فہمیوں میں سرفہرست یہ غلط فہمی ہے کہ ہمارے یہ پراگندہ ذہن دانشور لفظ اجتہاد کے مفہوم و معنی کو سمجھے بغیر اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں، وہ عموماً یہی سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا اور اس

☆ العادة محكمة ☆ عادت کو حکم بنا یا گیا ہے یعنی فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا ☆

کا مفہوم یہ ہے کہ کس مسئلے پر آزاد رائے دینا اور بس یہیں سے غلطی کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس غلط بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ بھی باطل اور غلط فہمیوں کا مجموعہ ہوتی ہے، حالانکہ آزاد رائے دینے کا تو اجتہاد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ آپ نے اگر رائے ہی دینا ہے تو دیجیے مگر اسے اجتہاد کا نام مت دیجیے۔ اس لیے کہ نصوص شرعیہ یا شریعت کے منابع و مصادر سے آزاد ہو کر کسی مسئلے پر سوچنا اور آزادانہ رائے کی بنیاد پر فیصلہ دینا شرعی اجتہاد کے ضمن میں آتا ہی نہیں۔ شرعی اجتہاد محض رائے زنی کا نام نہیں ہے بلکہ شرعی اجتہاد تو یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو جس کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم کتاب و سنت میں موجود نہیں تو ماخذ شریعت کی چھان چھنک کی جائے نظائر و امثال پر غور و فکر کیا جائے اور اس طرح محنت و کوشش صرف کرنے کے بعد جو حل سامنے آئے اسے شرعی اجتہاد کہا جائے گا، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا مقصد محض اپنی رائے سے کوئی آزادانہ فیصلہ کرنا ہے یا نصوص شرعیہ سے ثابت شدہ احکام کو بدلنا یا ان کی من مانی تاویل کرنا اجتہاد ہے تو آپ سخت غلطی پر ہیں۔ یہ روش تحریف و تفسیل اور ہوس پرستی تو کہلا سکتی ہے مگر شرعی اجتہاد کہلانے کی ہرگز مستحق نہیں۔

اجتہاد کے سلسلے میں دوسری غلطی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید اجتہاد جیسی ڈائنامک تحریک کچھ مدت کے لئے اسلامی زندگی کے منظر سے بالکل غائب ہو گئی تھی یا بعض منکرین نے اسے موقوف و معطل کرنے کی جو رائے دی تھی اسے امت نے قبول کر لیا تھا جس کے بعد اجتہاد و استنباط کا عمل کسی دور میں کسی بھی سطح پر جاری نہ رہ سکا حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران اگرچہ منکرین اجتہاد کا گروہ بھی قائم رہا اور اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے دعوٰی کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر اس کے باوجود ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد و استنباط کا عمل جاری ہی رہا حتیٰ کہ عہد غلامی کی پستیوں اور پسماندگی کے باوجود بھی مسلم علماء نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق تازہ مسائل کے حل کے لئے شرعی استنباط اور فتاویٰ کا منصب بھی سنبھالے رکھا۔ سائنسی ایجادات نے جب زندگی کی روش بدل دی تو شریعت کے پاسبانوں نے امت کی صحیح رہنمائی کا سامان کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ جب ریل اور ہوائی جہاز میں ادائے نماز کے مسائل پیدا ہوئے تو ظاہر ہے ان ایجادات کی مناسبت سے واضح حکم موجود نہ تھا مگر اشارات و نظائر موجود تھیں۔ ستر میں نماز قصر، میدان جنگ میں صلوٰۃ الخوف اور حج کے موقع پر جمع بین الصلواتین کی نظائر کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کی بنیاد پر فتاویٰ جاری کئے گئے۔ خطبہ اذان میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا سوال اٹھا تو عہد نبوت میں لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

مشروعیت اذان اور منبر کی ایجاد کی نظیریں کام آئیں اور علماء نے فتویٰ دیا کہ لاؤڈ سپیکر سے چون کہ مقصود نمازیوں تک آواز پہنچانا ہے تاکہ وہ فریضہ صلوٰۃ سہولت کے ساتھ ادا کر سکیں اس لیے اس مقصد کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی جائز ہے۔ لیکن جب سوخوری کو حلال قرار دینے اور دیگر مسلمات شرعیہ کو منہدم کرنے کی مذموم حرکت اور سعی نامشکور شروع ہوئی تو ان مسلم علماء نے اس تحریف و ہوس پرستی کو اجتہاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نام نہاد روشن خیال اور ترقی پسند دانشورانہیں تنگ نظر اور رجعت پسند ہونے کا طعنہ بھی دیتے رہے اور اجتہاد کے دروازے چو پت کھول دینے کا دعویٰ بھی کرتے رہے مگر اہل علم و تقویٰ نے یہ مذموم تحریک کامیاب نہ ہونے دی۔ ایک وقت ایسا آیا جب داخلی خلفشار اور فتنہ و فساد نے اسلامی معاشرے کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ اجتہاد و استنباط کے نام پر افتراق اور گروہ بندی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سامراجیوں نے ضعیف و ناتواں، پسماندہ اور غفلت میں اوگھتے ہوئے مسلمانوں کو دبوچ لیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے گھبرا کر میدان عمل سے فرار کی راہ اختیار کر لی تھی۔ وہ ہر شے اور ہر بات کو خوف، شک اور ہچکچاہٹ کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے جہاں وہ تجدد و اجتہاد سے محروم و بیزار ہو گئے تھے وہاں وہ مغرب سے آنے والی ہوا کے ہر جھونکے سے بدک جاتے تھے۔ انگریزی زبان تک پڑھنے کو دین سے برکتگی کی علامت تصور کرنے لگے تھے۔ مفید جدید افکار اور تہذیبی اطوار سے بھی گریزاں تھے اور سائنسی علوم اور جدید ایجادات و وسائل سے بھی خوف زدہ تھے اس لیے کہ وہ شکست خوردہ ذہن رکھتے تھے مگر جیسے ہی مریض کو سنبھالا دیا گیا، مصلحین وقت نے امت کو ہوش میں لا کر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر لیا چنانچہ خوف اور ہچکچاہٹ کی کیفیت بھی ختم ہو گئی۔ سائنسی علوم کو بھی قبول کر لیا گیا اور تجدد و اجتہاد کا راستہ بھی اہل علم و تقویٰ کے لیے حسب معمول کھلا ہی رہا۔ اسلام کا نہ تو سائنسی علوم سے کوئی تصادم ہے اور نہ وہ انسانی فکر و تہذیب کی ترقی کا مخالف ہے بلکہ اسلام تو جہاں علم و سائنس کی راہوں پر گامزن ہونے کی پر زور دعوت و تلقین کا علمبردار ہے وہاں اس اندھی اور جامد تقلید کا بھی مخالف ہے جس کا اللہ کے پیغام اور حجت و دلیل کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو اور جو انسانوں سے فکر و تدبر اور غور و خوض کی توثیق سلب کر لینے کی قائل ہو۔ قرآن مجید انفس و آفاق میں فکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اہل عقل و ادب الالباب کو چھنجھوڑتا ہے اور فکر و بصیرت سے اعراض کرنے والوں سے کہتا ہے: افلا یستدبرو القرآن ام علی قلوب اقفالہا: کیا یہ قرآن میں فکر و تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؟ رسول

ماجاز لعذر بطل بزوالہ ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الحکمة ضالة المؤمن اينما وجدها اخذها او كما قال صلى الله عليه وسلم: کہ حکمت و دانش تو مومن کی گم گشتہ میراث ہے۔ اسے جہاں ملے گی لے لے گا۔ مگر سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بات حکمت و دانش ہے بھی یا نہیں یا محض فتنہ و فساد کو حکمت و دانش اور ہر پتھر کو موتی تصور کر لیا گیا ہے، جب یہ بات یقین کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں بات حکمت اور موتی ہے تو پھر مسلمان اسے قبول کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ روم اور یونان کے تہ خانوں میں مقفل و مقید سائنسی علوم کو رہائی دلانے اور محفوظ کر کے ترقی دینے والے مسلمان ہی تھے، اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کبھی بھی سائنسی تحقیق کی مخالفت نہیں کی گئی بلکہ عہد نبوت سے لے کر بعد کے تمام ادوار میں سائنسی علوم کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے، کسی عہد میں مسلمانوں نے کسی مفکر یا سائنس دان کو محض اس لیے سولی پر نہیں چڑھایا کہ وہ سائنسی ترقی نئے نئے سائنسی تجربات و ایجادات یا نظریات کی تخلیق میں لگا ہوا ہے۔ اسلام نے رہن سہن کے سادہ اور فطری آداب پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی نہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی ایک مخصوص لباس کا پابند بنایا ہے۔ آج وہاں اور مقامی ضرورت کے مطابق ہر خطے کے مسلمانوں کو اپنا مناسب لباس اپنانے کی اجازت ہے۔ آج بھی بین الاقوامی اسلامی اجتماعات میں لباس کا تنوع و اختلاف اسلام کی اس وسعت نظر کا غماز نظر آتا ہے تاہم اسلام اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ محض فیشن پرستی کو روشن خیالی کا نام دے دیا جائے یا ایک مخصوص وضع و قطع اور لباس کو سائنس دان ہونے کی علامت تصور کر لیا جائے اور حقائق دین یا مکارم اخلاق کی تفہیم و تسخراڑانے کو سائنس کی معراج سمجھ لیا جائے۔ کوٹ پتلون اور تگھائی کا روشن خیالی یا سائنس سے کوئی تعلق نہیں اس طرح شلوار قمیض یا اسلامی وضع قطع دیکھ کر سائنسی لیبارٹری کرنٹ کبھی نہیں مارے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر آپ کائنات کی گہرائیوں میں اتر کر اسرار و حقائق کا انکشاف کرتے ہیں یا سمندروں اور پہاڑوں کا سینہ چیر کر انسانیت کی بھلائی اور سر بلندی کا سامان کرتے ہیں تو آپ صاحب کرامات مرد مومن ہیں اور سائنس کے میدان میں مجتہد ہیں۔ اس اجتہاد سے نہ اسلام نے آپ کو روکا ہے نہ کوئی آپ کو روک سکے گا۔ اجتہاد کے ضمن میں تیسری غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید آزادانہ اجتہاد کی حدود اتنی وسیع ہیں کہ تمام مسلمات شریعت بھی اس کی زد سے باہر نہیں۔ کتاب و سنت کی واضح نصوص قطعیہ کی بنیاد پر ثابت شدہ شرعی احکام جو چودہ صدیوں سے تواتر و تسلسل کے ساتھ تمام امت کا متفقہ معمول چلے

☆ اعمال الکلام اولی من اعمالہ ☆ کلام بر عمل کرنا اسے مہمل چھوڑنے کی نسبت اولی ہے ☆

آتے ہیں مگر آج کی چشم کج نگاہ اور پست ہمت دلوں کو فرسودہ یا مشکل نظر آتے ہیں ان میں ہیر پھیر یا بنیادی تبدیلی کے لئے اجتہادی قوتیں صرف کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سرمایہ پرست ذہنیت اور سود خور صیہونیت نے سودی نظام معیشت کا جو ہولناک مین الاقوامی جال پھیلارکھا ہے اس میں الجھی ہوئی دیکھی اور مجبور و مقہور انسانیت کو نجات دلانے اور نکالنے کے بجائے اسے اس میں کراچے اور تڑپتے رہنے کا فتویٰ دے دیا جائے اور ناموں کے ہیر پھیر سے سود کو حلال قرار دے دیا جائے یا مثلاً تہذیب کے نتیجے میں اختلاط مردوزن، عریانی، بے راہ روی اور فحاشی کے جس سیلاب بلانے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اس کا رخ موڑنے اور اسے بے اثر کر کے پاکیزگی و طہارت کا حامل پر سکون معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کے بجائے آزادی نسواں کے خوشنما نام پر کوئی روشن دماغ مجتہد فتویٰ صادر فرما دے کہ بندگان خدا کو اس کی غلامت و محضنت کی دلدل میں پھنسا رہے دو اور سب کو اس کی ہلاکت و تباہی کی نذر ہونے دو یا مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر شعائر اسلامی کو کوئی ایسا رنگ دیا جائے یا کوئی ایسی توجیہ نکالی جائے جس سے نام نہاد روشن زمانے کی ترقی معکوس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی اخلاقی اقدار، ثقافتی روایات اور معاشرتی آداب کا بھی دیوالہ نکل جائے اور مسلمان بھی لونی لنگڑی مادیت کے ستائے ہوئے انسانوں کا ہمسرد ہم رنگ بلکہ ہم پیالہ و ہم نوالہ بن جائے۔ یہ تو بالکل درست اور مسلم ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کی طرح آج بھی کھلا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران مخالفت کے باوجود اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ کسی نے کسی سطح پر اجتہاد مسلسل جاری رہا ہے، کبھی اجتہاد مطلق کے درجے ہیں، کبھی اجتہاد جزئی کی شکل میں اور کبھی اخذ و استنباط کی بنیاد پر فتاویٰ جاری کرنے کی صورت میں اسلامی اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ کہ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا تو جس طرح قیامت تک مرد مومن کا جہاد جاری ہے اسی طرح امت میں اجتہاد بھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح جہاد کے لیے کچھ تربیت اور اسلحہ کا کارہوتا ہے۔ اسی طرح اجتہاد کے لئے بھی بعض شرائط اور آداب ہونے چاہئیں جن کا جاننا اور ان سے متصف ہونا لازم ٹھہرے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کھلا ہے جس سے ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو اس کا اہل اور حقدار ہو مگر یہ بات کسی کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس دروازے سے ننگے سر، ننگے پاؤں اور میلے کپیلے لباس کے ساتھ ہی گھسا چلا آئے اور اجتہاد کی سعی نامشکور فرمانے لگے۔ وہ

اجتہاد کے آداب اور شرائط سے آگاہ ہو یا نہ ہو، اس کا مبلغ علم خواہ کچھ ہی ہو، وہ کلمہ طیبہ اور مسلمہ کا بھی صحیح تلفظ اور املاء جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ شریعت کے مآخذ سے آزادانہ استفادہ کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو لیکن آزادانہ اجتہاد کرنے کے لئے ضرور تیار ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مآخذ شرع کی روشنی میں اجتہاد کرنے والا مطلوب نہیں بلکہ نیا اسلام گھڑنے والا آزاد خیال مجتہد مطلوب ہے۔ دوسرے لفظوں میں شریعت پر عمل کی راہ ہموار کرنے والا مجتہد درکار نہیں بلکہ اس کے بجائے اسلام کو بدلنے والے طہر کی تلاش ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا عصر حاضر کے طہر کی متحمل نہیں ہو سکتی اسے تو مجتہد کی ضرورت ہو سکتی ہے، ایک ایسا مجتہد جو اسلامی شریعت کی صلاحیت، برتری اور حقانیت ثابت کر سکے جو مسلمانوں کی ذہنیت بدل کر رکھ دے، سوچ کے دھارے بدل دے، اسلام کی کامیابی کی راہیں روشن کر دے اور اسلام کو بدلنے کے بجائے مسلمانوں کو بدلے۔ یہ امت ایک مجتہد سے زیادہ ایک مجدد کی محتاج ہے جو قلب مومن کو ایمان و ایقان میں پختہ تر کر سکے۔ ہماری اصل شکل اجتہاد نہیں تجرید ہے۔ رہا اجتہاد و استنباط تو وہ تو امت میں کبھی بند نہیں ہوا۔ مجتہد سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہو سکتا جو کتاب و سنت کی روشنی میں امت کو درپیش نئے مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن آزادانہ اجتہاد سے کتاب و سنت کے احکام کو بدلنے یا تحریف کرنے والے کی گنجائش نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے امت مسلمہ سے باہر کی دنیا وسیع ہے وہاں اپنی جولانیاں دکھا سکتے ہیں۔ اسلام میں تو اس تحریف و تلخیص کو نہ کبھی برداشت کیا گیا ہے اور نہ کیا جائے گا۔ نصوص شرعیہ سے آزاد ہو کر محض ذاتی رائے سے حلال کو حرام، حرام کو حلال یا خوب و ناخوب کا فتویٰ دینا ہوساں اور اسلام دشمنی تو ہو سکتی ہے اسلامی اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے مجھے بھی رجعت پسندی یا تشددانہ موقف رکھنے والے کے القاب سے نوازا جائے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا یا جو کچھ زبان رسالت سے ادا ہوا اس کی حکمت و اہمیت کو درپیشوں کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ آج نہیں تو کل ضرور ان کی عقل کے تالے کھل جائیں گے اور وہ احکام قرآن کو اجتہاد سے بدلنے پر تادم اور شرمندہ ہوں گے۔ جب ان پر حقیقت منکشف ہوگی تو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ صرف ایک مثال پیش کر کے آگے بڑھنے کی اجازت چاہوں گا۔ قرآن کریم نے سو خواری کو استحصال و استغسال کی بدترین صورت اور لعنت و نوحست کی قبیح ترین علامت کے طور پر بڑی شدت کے ساتھ حرام قرار دیا مگر صہیونیت و زر پرستی کے پھیلائے ہوئے جال کا معاشی نظام جب ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تو آزادانہ

اجتہاد کے داعی دانشور سو کو مختلف ناموں اور تاویلوں سے حلال قرار دینے پر تل گئے مگر جب کارل مارکس اور اس کی معنوی اولاد نے بھی سو دخوری کو انسانی معاشرے کی پیشانی کا بد نما داغ قرار دے دیا تو وہ کیونز م کے اس تصور پر عرش عرش کراٹھے حالانکہ اللہ کی کتاب نے سو کو حرام، خدا کی لعنت اور شیطانی نشہ قرار دیا تو اسے دقیقاً نوٹی خیال تصور کرتے ہوئے آزادانہ اجتہاد سے بدلنے کے لئے بے قرار تھے۔ اس لئے میری گزارش اتنی ہے کہ باقی احکام قرآنی و نبوی کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے اور آزادانہ اجتہاد سے انہیں بدلنے والوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس سلسلے کی چوتھی غلط فہمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ شاید اسلامی معاشرے کا ہر فرد بلا قید و تخصیص ہر ایک معاملے میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلی تین غلط فہمیوں کے ازالے کے سلسلے میں جو گذارشات پیش کی چکی ہیں وہ کافی ہیں البتہ ضمنی طور پر اس آخری اور چوتھی غلط فہمی کے ازالے کے سلسلے میں بھی کچھ اشارات ضروری ہیں۔ تاہم اس مقالے کا بنیادی مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ فقہ اسلامی کے نازک ترین بلکہ مشکل ترین میدان اجتہاد میں داخل ہونے کے لئے کچھ اوصاف و آداب اور کچھ شرائط موجود ہیں۔ ہر فرد امت کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا نہ تو آسان ہے اور نہ یہ ممکن و ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید جس طرح اسلامی معاشرے میں اصلاح و تبلیغ کے لئے ایک جماعت کی تیاری کا حکم دیتا ہے اسی طرح ثقہ فی الدین کے لئے بھی ایک گروہ کی تیاری کا فرمان موجود ہے: فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون: یعنی اگر ایسے ہوتا کہ ہر معاشرہ اہل اسلام میں سے ایک گروہ ایسا ہوتا جو ثقہ فی الدین کی صلاحیت پیدا کرتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتا تا کہ وہ احتیاط سے کام کر سکیں۔

مجتہد کے اوصاف و آداب اور شرائط سے بحث کا آغاز کرنے سے پہلے مختصراً اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول فقہ کی رو سے تین مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن نہیں گویا وہ محل اجتہاد ہی نہیں اور وہ یہ ہیں:

- ۱۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق کتاب و سنت میں قطعی اور واضح احکام موجود ہیں جیسے سو کی حرمت، محرّمات سے نکاح کی ممانعت وغیرہ۔
- ۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق قطعی احکام قرآنی موجود ہیں مگر ان کی تفسیر و توضیح سنت سے ہو گئی ہے جیسے نماز پنجگانہ اور مناسک حج وغیرہ۔

۳۔ ایسی عقوبات و سزائیں جنہیں حدود اللہ کہا گیا ہے اور ان کے متعلق کتاب اللہ میں واضح و قطعی احکام موجود ہیں۔ جیسے حد زحف، حد زنا اور حد سرقہ وغیرہ۔

چار مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن ہے گویا وہ محل اجتہاد ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایسے احوال و واقعات جن کے متعلق کتاب اللہ اور سنت متواترہ میں کوئی واضح اور قطعی حکم سرے سے ہے ہی نہیں۔

۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو قطعی الثبوت تو ہیں مگر واضح الدلیلہ نہیں۔

۳۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو واضح الدلیلہ تو ہیں مگر قطعی الثبوت نہیں۔

۴۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق وارد ہونے والی حدیثیں نہ تو قطعی الثبوت ہیں اور نہ واضح الدلیلہ ہیں۔ محققین اور متاخرین ماہرین اصول فقہ نے مجتہد کے لئے جن اوصاف و شرائط سے متصف ہونا لازمی ٹھہرایا ہے وہ مقصد اور مآل کے نقطہ نظر سے متفق ہیں۔ اگرچہ اجمال اور تفصیل کا اختلاف ممکن ہے۔ محققین اکثر ان اوصاف و شرائط پر اجمالی نظر ڈالتے رہے ہیں۔ جبکہ متاخرین علمائے اصول فقہ نے ان پر تفصیلی انداز میں نظر ڈالی ہے۔ محققین میں امام غزالی، ملا مدنی اور ابن حزم ظاہری کو علم اصول فقہ میں امامت اور قیادت حاصل ہے۔

امام غزالی نے مجتہد کے لئے اجمالی طور پر دو شرائط بیان کی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مجتہد شریعت کے مآخذ و مدارک کا مکمل احاطہ و استیعاب رکھتا ہو اور اس قابل ہو کہ غور و فکر سے ظنی دلائل کی بنیاد پر مسائل کا حل نکال سکے۔ ساتھ ہی اہمیت کے لحاظ سے جو بات مقدم ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مقدم اور جو مؤخر ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مؤخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وصف عدالت سے متصف ہو۔ اور ان گناہوں سے اجتناب کرتا ہو جو وصف عدالت کے لئے نقص و عیب کا باعث ہوتے ہیں تاہم امام غزالی یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ وصف عدالت سے متصف ہونا قبول فتویٰ اور عامۃ المسلمین کے اعتماد کے لیے شرط ہے۔ مجتہد کے اجتہاد کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ ان دو اجمالی شرائط کے ذکر کے بعد امام غزالی

☆ الضرر لا يزال بالضرر ☆ نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا ☆

نے پہلی شرط کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مدارک و مآخذ شریعت کی معرفت کے لئے آٹھ علوم کو بنیادی وسیلہ قرار دیا ہے (جو شریعت کے مآخذ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس (جسے غزالی نے لفظ عقل سے تعبیر کیا ہے) کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان علوم میں سے دو کو مقدمہ یا تمہیدی علوم کی حیثیت حاصل ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ دلائل قائم کرنے کا علم یعنی شرعی مسائل کے حل میں کن دلائل سے کس طرح کام لیا جائے گا وہ ان دلائل کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ عقلی، شرعی اور وضعی۔

۲۔ دوسرا تمہیدی علم ہے معرفت زبان عربی اور اس کے اصول و قواعد، مذکورہ آٹھ علوم میں سے دو کو اختیاری یا تکمیلی علوم کا درجہ حاصل ہے جن میں سے ایک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ناخ و منسوخ کا علم ہے۔ یہ علم مجتہد کے لئے بے حد ضروری ہے کیوں کہ جب تک تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ کونسا حکم ناخ ہے اور کونسا منسوخ، اس وقت تک مجتہد کے لئے کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ دوسرا تکمیلی علم سنت رسول اللہ ﷺ کی روایات کے متون و اسناد کی صحیح معرفت ہے جس کے ذریعہ مقبول و مردود اور فاسد و صحیح میں تمیز کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ جو چار علوم و سائنات کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کا علم معرفت۔
 ۲۔ کائنات کی حقیقت کا علم یعنی یہ کہ یہ کائنات تو پیدا ہے اور ایک خالق کی تخلیق کا اعجاز ہے۔

۳۔ معرفت صداقت رسول اللہ ﷺ
 ۴۔ طرق کلام کا علم۔

مآخذ شریعت کی معرفت کے لئے امام غزالی یہ کافی سمجھتے ہیں کہ مجتہد کو کتاب اللہ کی وہ پانچ سو آیات معلوم ہوں جو احکام شریعت کے متعلق ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں بھی احکام سے متعلق احادیث کا ازبر ہونا ضروری نہیں بلکہ اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ فلاں مسئلے کے متعلق فلاں مقام پر حدیث نبوی موجود ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا ایک صحیح مرتب مجموعہ موجود ہو، مجتہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون کون سے مسائل ہیں جن پر اجماع ہو چکا ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اجماع کی مخالفت کا مرتکب نہ ہو۔ ابن حزم الظاہری نے مجتہد کی اقسام اور درجات سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عند اللہ اجتہاد کرنے والا دو حیثیتوں میں سے ایک حیثیت

☆ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ☆ جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا ☆

کا مالک ضرور ہوگا یا تو وہ صحت و صواب کا مالک ہوگا اور مصیب کہلائے گا اور یا غلطی و خطا کا حامل ہوگا اور غلطی کہلائے گا یعنی خطا وار، البتہ مال کے لحاظ سے وہ خطا وار مجتہد کے دور سے جتنا ہے ایک ایسا خطا کار جو عند اللہ معذور ہے۔ اجتہاد میں وہ نیک بخت ہوتا ہے خواہ اس کا اجتہاد غلط ہی ہو۔ دوسرا خطا کار مجتہد غیر معذور ہوتا ہے اور یہ وہ مجتہد ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے غلطی کا ارتکاب کرتا ہے یعنی اس کی نیت ہی نیک نہیں ہوتی۔ اجر کے لحاظ سے بھی وہ مجتہد کی دو قسمیں بیان کرتا ہے۔ ایک ایسا مجتہد جو مصیب ہے اور اسے دو گنا اجر ملتا ہے، ایک اجتہاد کرنے کا دوسرا درستی اور صحت کا، دوسری قسم وہ مجتہد ہے جو خطا کار ہے مگر اجتہاد میں نیک نیت ہونے کے سبب صرف اجتہاد کرنے کا اجر پاتا ہے۔ ابن حزم اجتہاد کی اہمیت کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث نقل کرتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

”من اجتهدوا اصاب فله اجران ومن اجتهدوا خطا فله اجر واحد“ کہ جس نے اجتہاد کیا اور صحیح نتیجے پر پہنچا تو اسے دو گنا اجر ملے گا اور جس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اسے صرف ایک گونہ اجر ملے گا۔ یہاں سے ابن حزم ہر مسلمان کے لئے اجتہاد لازم ٹھہراتا ہے اور تقلید کرنے والوں کو گنہگار اور قابل مذمت قرار دیتا ہے۔ علامہ آلادی نے بھی مجتہد کے لئے دو اجرائی شرائط بیان کی ہیں، پہلی شرط کا تعلق عقائد سے ہے جس میں وہ مجتہد کے لئے وجود باری تعالیٰ کا علم، اس کی صفات کمالیہ پر ایمان اور منصب رسالت کی تصدیق کو لازم ٹھہراتے ہیں۔ دوسری شرط کا تعلق مجتہد کے علم سے ہے، یعنی مجتہد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ شریعت کے احکام، ان کی اقسام، دلائل اور مراتب و شروط سے آگاہ ہو، اسے تحصیل احکام کی کیفیت معلوم ہونی چاہیے۔ تحریر و تقریر کے ذریعے احکام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دے سکے۔ راویان حدیث کی جرح و تعدیل سے واقف ہو سکیں اور صحیح و غیر صحیح حدیث میں امتیاز کر سکے۔ اسباب نزول، ناخ و مسوخ اور عربی لغت و نحو کا عالم ہو۔ تاہم آلادی کے نزدیک یہ شرائط اس مجتہد کے لئے ہیں جسے اصول فقہ میں مجتہد مطلق یا مجتہد کامل کہا جاتا ہے۔ امام غزالی کی طرح آلادی بھی اجتہاد میں تجزی کا قائل ہے یعنی مجتہد کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ ہر مسئلے پر اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو بلکہ وہ شریعت کے خاص شعبے کے مسائل میں اجتہاد پر قادر ہو تب بھی کافی ہے مگر وہ مجتہد مطلق یا کامل نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مجتہد جزئی کہلائے گا۔ متقدمین و متاخرین اور جدید دور کے ماہرین اصول فقہ کے انکار کی روشنی میں مجتہد کے لئے جن اوصاف و آداب اور شروط و لوازمات سے متصف ہونا ضروری ہے ان کی مجموعی تعداد بارہ بنتی ہے۔ ان میں سے:

☆ التامیس خیر من التاکید ☆ تائیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے ☆

پہلی شرط اسلام و ایمان ہے گویا شریعت کے احکام میں اجتہاد کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ مجتہد دین اسلام پر ایمان کامل سے مزین ہو،

دوسری شرط عدالت و تقویٰ ہے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان عیوب و نقائص سے بری ہو جو وصف عدالت اور تقویٰ کے لیے نقصان دہ ہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مجتہد عربی زبان کا عالم ہو، تاکہ قرآن و حدیث کی شرعی نصوص کا صحیح ادراک کر سکے۔ عربی زبان و ادب اور اسلوب بیان پر گہری نظر کے علاوہ اسرار بلاغت سے بھی پوری طرح واقف ہونا ہم اس میں یہ لازم نہیں کہ وہ عربی زبان کی مہارت کے سلسلے میں سیبویہ اور خلیل کے درجے کا امام لغت و نحو ہو بلکہ بقدر ضرورت اتنا معلوم ہو کہ کلام عرب میں اسلوب مخاطب اور انداز بیان کن کن معانی اور الوان کا حامل ہو سکتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو، اس کے لغوی معنی اور شرعی مفہوم سے آگاہ ہو۔ امام شافعی کے نزدیک تو مجتہد کو تمام قرآن حفظ ہونا چاہیے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ صرف اتنا کافی ہے کہ احکام شریعت سے متعلق پانچ سو آیات کا علم رکھتا ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مجتہد کو سنت رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل ہو۔ ان قولی، فعلی اور تقریری احادیث کا علم رکھتا ہو جن میں شریعت کے احکام وارد ہوئے ہیں۔ ان احادیث کے معانی و مقاصد سے پوری طرح آگاہ اسناد و متون کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہو، اس کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا صحیح مجموعہ موجود ہونا چاہیے مثلاً صحاح ستہ کے علاوہ معانی لا آثار للطحاوی اور منشی الاخبار لابن تیمیہ کا موجود ہونا کافی ہے۔

مجتہد کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اجماع و اختلاف کے مواقع سے آگاہ ہو مجتہد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون کون سے مسائل ہیں جن میں سلف صالح کا اجماع ہو چکا ہے تاکہ اس اجماع کی مخالفت سے بچ سکے جیسے اصول فرائض، اصول وراثت اور محرمات وغیرہ کے بارے میں سلف صالح کا اجماع موجود ہے۔ اس طرح مجتہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن میں سلف صالحین کا اختلاف تھا، امام شافعی اس اختلاف و اجماع کی معرفت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اس موضوع پر علامہ ابن رشد کی بدلیۃ المجتہد، ابن قدامہ کی کتاب المغنی اور امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ بہت کارآمد معلومات کی حامل ہیں۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ مجتہد قیاس کے اصول سے پوری طرح آگاہ ہو، امام شافعی تو قیاس کو ہی اجتہاد کا نام دیتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں الاجتهاد هو العلم باوجه القیاس و طرائقه: یعنی اجتہاد دراصل قیاس کی وجوہات اور طریقوں کے علم کا نام ہے۔ مشہور فقہ علامہ الاسنوی قیاس کو قاعدۃ الاجتہاد اور الموصل الی التفصیل قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ مجتہد واقعات و معاملات زندگی کے علم کے علاوہ مندرجہ ذیل باتوں کا بھی علم رکھتا ہو۔ اسے:-

- ۱۔ ان علل و اسباب کا علم ہو جو نصوص شرعیہ کے لیے حکمت اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔
- ۲۔ قیاس کے تمام قوانین و ضوابط کی معرفت حاصل ہو۔
- ۳۔ یہ بھی علم رکھتا ہو کہ کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں سلف صالح کا طریقہ اجتہاد کیا تھا۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ مجتہد احکام شریعت کے مقاصد اور حکمتوں سے واقف ہو مثلاً یہ علم ہو کہ شریعت کی حکمت یہ ہے کہ انسانیت کی مصلحت ملحوظ ہو اور رحمت و سہولت سے کام لیا جائے۔ اسلامی شریعت میں حرج اور تنگی نہیں ہے۔ امام شافعی نے مقاصد شرع کو سمجھنے پر بہت زور دیا ہے وہ کہتے ہیں: فہم مقاصد الشرع هو العلم الذی یبنی علیہ الاجتہاد کہ مقاصد شریعت کا فہم وہ علم ہے جس پر اجتہاد کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اجتہاد کی دو بنیادیں تسلیم کرتے ہیں ایک فہم مقاصد شرع اور دوسرے احکام کے استنباط کی قدرت حاصل ہونا۔

مجتہد کے لیے نویں شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ناخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو، یہ بہت ہی ضروری شرط ہے کیوں کہ منسوخ آیات و احادیث اجتہاد کی بنیاد ہی نہیں بن سکتیں۔ دسویں شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا فن اصول فقہ کا بھی کامل علم رکھتا ہو۔ کیوں کہ احکام سمجھنے اور استنباط کرنے کے لیے علم اصول فقہ بجد مفید ہے۔

گیارہویں شرط کو صحت فہم اور حسن اندازہ کا نام دیا گیا ہے صحیح بات کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنا کھرے اور کھوٹے کا بخوبی اندازہ کرنا ایسے اوصاف ہیں جو مجتہد کو درست نتائج تک پہنچنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔

بارہویں شرط کو صحت نیت اور سلامت اعتقاد کا نام دیا جاتا ہے۔ نیت کی درستی پر ہر کام کا دارومدار ہوتا ہے، عقیدے کی درستی بھی حکمت و نور کا وسیلہ ہے۔ ٹیڑھی نیت سے نتائج بھی ٹیڑھے نکلتے ہیں اور انسان کی سوچ بھی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ عقیدہ فاسد ہو تو اخلاص مفقود ہو جاتا ہے اس لیے اجتہاد کرنے والا درست نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔